اعتبارِ وفا

نگہت سیما

یہ سچ ہے کہ محبت میں ولت کا وزن نہیں ہوتا . . . گفتگو کا وزن نہیں ہوتا، ہر طرف تو کیا دل و دماغ تک پر ایک بے وزن سی کیفیت محسوس ہوا کرتی ہے . . . کہ دل و دماغ کو کوئی دوسری بات سُجھائی تک نہیں دیتی۔
ایسے حالات میں کسی بھی انسان کے پاؤں جمے نہیں رہتے اور وہ ہر وقت لڑھکتا رہتا ہے۔
مگر خود کو سنبھال کر متوازن رکھنا ہی محبت کا اصل پلیٹ فارم ہے . . . لیکن اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس بے وزنی کے اصول کو بھی محسوس کر لیا جائے . . . اور مان لیا جائے . . . کہ محبت کا اوّلین قانون اعتبار ہے . . . اور وفا کے غنچے وہیں کھلتے ہیں . . . جس گلشن میں اعتبار کا بیج بویا جاتا ہے۔

گلاب چہروں پہ دُھول کتنی مسافتوں کی جمی ہوئی ہے
چراغ آنکھوں میں جانے کتنے سفر کے جالے تنے ہوئے ہیں
نہ چھاؤں جیسی کوئی کہانی نہ جلتی دھوپوں کا کوئی حصّہ
کہاں کا ذکرِ سفر کہ پہلے قدم پہ ہم تو رُکے ہوئے ہیں

ایم ایم عالم روڈ پر وہ رکشے سے اتر گئی تھی۔ کھاڈی خاص سے ایک شرٹ خریدنے کے بعد وہ ورجا، وردہ، بریزے، مختلف ڈیزائنرز پر جا کر ٹرائی کرتی رہی۔ لائم لائٹ سے مزید ایک شرٹ خرید کر وہ راجا صاحب آگئی۔ وہاں سے کچھ ضروری اور غیر ضروری شاپنگ کی اور پھر کیفے page 102 میں آگئی۔ اسے یہ کیفے بہت پسند تھا۔ آج بھی جب اس نے کیفے کے اندر قدم رکھا تو اسے اس کی تھیم نے بے حد اٹریکٹ کیا...... جگہ، جگہ کتابوں سے سجاوٹ کی گئی تھی۔ وہ سیڑھیوں پر سے ہوتی ہوئی اوپر والے ہال میں آگئی۔ سیڑھیوں میں ریلنگ کے ساتھ کتابیں لٹک رہی تھیں کہیں، کہیں ڈوریوں کے ساتھ بھی کتابیں بندھی ہوئی لٹک رہی تھیں۔ مشہور مصنفین کی کتابوں کے نام پڑھتی ہوئی وہ ایک خالی ٹیبل کی طرف بڑھی...... ٹیبلو پر بھی کتابیں رکھی تھیں۔ اس کی ٹیبل پر بھی دو تین کتابیں تھیں۔ آرڈر دے کر اس نے ایک کتاب اٹھالی۔ آرڈر سرو ہونے میں بھی آدھے گھنٹے سے زیادہ لگ جانا تھا...... اس وقت ہال میں زیادہ لوگ نہیں تھے لیکن اسے کچھ وقت یہاں گزارنا تھا...... وہ کتاب کی ورق گردانی کرنے لگی۔ اسے پڑھنے سے کوئی خاص دلچسپی تو نہ تھی۔ تاہم وقت گزاری کے لیے کبھی نہ کبھی کچھ پڑھ لیتی تھی۔ شادی سے پہلے وہ محلے کی لائبریری سے اے آر خاتون اور رضیہ بٹ کے ناول کبھی کبھار لے کر پڑھا کرتی تھی، وہ بھی اس لیے کہ اسے پڑھتا دیکھ کر اماں اسے گھر کا کام نہ کہیں...... لیکن شادی کے بعد سوائے اخبار کے اس نے کبھی کچھ نہیں پڑھا تھا...... بابر اخبار باقاعدگی سے پڑھتا تھا سو اس کی عدم موجودگی میں اخبار والا اخبار دے جاتا تھا۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ گھر میں اخبار آتا تھا اور اس کا کچھ وقت اخبار پڑھنے میں کٹ جاتا تھا۔ بعض اوقات تو وہ اشتہار تک پڑھ ڈالتی تھی...... ہر طرف سجی کتابیں اسے اچھی لگ رہی تھیں۔ کچھ دیر پہلے کی کوفت اور بیزاری یہاں آکر ختم ہوگئی تھی۔

بابر کا خیال ذہن سے نکال کر وہ کچھ دیر کتاب دیکھتی رہی۔ یہ کوئی انگلش ناول تھا...... لیکن اسے اس میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ یوں بھی اس کی انگلش بہت اچھی نہ تھی۔ اس نے کتاب رکھ دی باقی دونوں کتابیں بھی اسی مصنف کی تھیں۔ سو وہ ہال میں اِدھر اُدھر نظر دوڑاتے ہوئے بابر اور اس کے متوقع ردِعمل کے متعلق سوچنے لگی۔

کھانے کے بعد اس نے چائے منگوالی۔ چائے کے بعد بھی کچھ دیر وہاں بیٹھی رہی اور یوں ہی بے مقصد کتابوں کے اوراق کھنگالتی رہی۔ یوں بہت سا وقت لگا کر وہ واپس گھر آئی تو اس کے گمان کے مطابق بابر گھر میں موجود تھا۔ جب وہ لاک کھول کر اندر آئی تو وہ لاؤنج میں کھڑا تھا اور اس کا بریف کیس صوفے پر پڑا تھا۔ غالباً وہ کچھ دیر پہلے ہی آیا تھا۔ فلیٹ کی ایک چابی ہمیشہ اس کے پاس ہوتی تھی۔

''تم اچانک کیسے آگئے؟'' اس نے حیرت کا اظہار کیا۔

''فون ہی کر دیتے، میں شاپنگ کے لیے نہ جاتی۔''

''تم میرا فون نہیں اٹینڈ کر رہی تھیں مجبوراً آنا پڑا۔'' بابر اسے گھور رہا تھا۔

''تمہارا فون......؟'' اس نے چونکنے کی ایکٹنگ کی۔

''مجھے تو پتا ہی نہیں چلا، تم نے کب کال کی تھی؟''

اس نے شولڈر بیگ کو ٹٹولا۔

''اوہ کہاں گیا...... مائی گاڈ کہیں گر تو نہیں گیا۔'' اچھی طرح بیگ کھنگالنے کے بعد اس نے بابر کی طرف دیکھا۔ اور پھر متلاشی نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھا...... پھر دونوں کی نظریں ایک ساتھ ہی ٹی وی ٹرالی پر پڑے فون پر پڑی تھیں۔

''اوہ...... شاید گھر ہی میں رہ گیا تھا......'' اس کے لبوں سے نکلا۔ بابر نے آگے بڑھ کر فون اٹھالیا۔

''لیکن میرے فون کرنے سے پہلے تم نے کراچی میرے گھر فون کیا تھا۔'' وہ logs میں سے dialled نمبر دیکھ رہا تھا۔

''ہاں لیکن میں فون کرنے کے بعد فوراً ہی گھر سے نکل گئی تھی۔ دراصل میں شاپنگ کے لیے جا رہی تھی۔ بس نکلنے ہی والی تھی کہ میرا جی چاہا کہ میں رتی کے لیے بھی کچھ خرید لوں۔ وہ مجھے بہت اچھی لگی تھی...... بالکل اپنی بیٹی جیسی...... میں نے کبھی اپنی بیٹی کے لیے شاپنگ نہیں کی تو میرا جی چاہا کہ......'' اس کی آواز بھرا گئی اور لمحہ بھر کے لیے وہ خاموش ہوگئی۔ بابر بہت گہری کھوجتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

کیفے 102page...... میں بیٹھے، بیٹھے اس نے طے کیا تھا کہ اگر اس کے گمان کے مطابق بابر آجاتا ہے یا دوبارہ فون کرتا ہے تو اسے اس سے کیا بات کرنی ہے۔ اس وقت وہ بابر سے خوفزدہ ہو کر گھر سے نکل آئی تھی لیکن وہ ہمیشہ کے لیے تو نہیں چھپ سکتی تھی۔

''میں نے رتی سے بات کرنے کے لیے فون کیا تھا، اس روز جب وہ تمہارے ساتھ آئی تھی تو اس نے بتایا تھا کہ ستمبر میں اس کی برتھ ڈے پارٹی ہوتی ہے اور تم بہت دھوم دھام سے مناتے ہو۔ میں اس کی برتھ ڈے پارٹی میں شرکت تو نہیں کر سکتی لیکن اسے گفٹ تو بھجوا سکتی ہوں ناں......'' اس نے ذرا سے توقف کے بعد بات جاری رکھی۔

''میں تو بس کنفرم کرنا چاہتی تھی کہ اس کی برتھ ڈے پارٹی واقعی اگلے منتھ ہے اور کب، کس تاریخ کو...... لیکن پھر ایمل نے فون اٹھا لیا تو میرا جی چاہا کہ میں اس سے بات کروں...... دوستی کرلوں اس سے شاید کبھی۔''

اس نے پھر بابر کی طرف دیکھا جس کی کھوجتی نظریں اب اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

''میں تمہارے گھر کا حصہ بننا چاہتی ہوں بابر...... میں تھک گئی ہوں اکیلے رہتے، رہتے...... میں تمہاری فیملی کے ساتھ تعلق بنانا چاہتی ہوں۔''

''اور تم نے میری آواز سنتے ہی فون بند کردیا۔'' بابر نے زہریلی نظروں سے اسے دیکھا۔

''سچ، سچ بتا دو کس مقصد سے میرے گھر فون کیا تھا؟''

''تم میرا یقین کرو بابر، میں نے تمہاری آواز نہیں سنی تھی۔ میں نے دو تین بار ہیلو ہیلو کہا اور پھر فون بند کردیا کہ شاید ایمل مجھ سے...... میرا مطلب ہے کسی اجنبی خاتون سے بات نہیں کرنا چاہتی۔ میرا کوئی اور مقصد نہیں تھا۔ میں بس صرف بات کرنا چاہتی تھی۔ رتی میں مجھے اپنی بیٹی کی جھلک نظر آئی تھی۔ میں جانتی ہوں کہ تم مجھے کبھی اپنے گھر لے کر نہیں جاؤ گے...... اور میں بھلا ایمل سے کیسے دوستی کر سکتی ہوں...... کیسے اس کا سامنا کر سکتی ہوں اور اس ڈرامے کے بعد...... لیکن اس وقت میں بھول گئی تھی...... یہ تنہائی مجھے اندر سے کاٹ رہی ہے بابر۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی تھی۔

بابر نے ایک بازو اس کے گرد حمائل کر کے اسے اپنے ساتھ لگا لیا...... بابر کے اس التفات پر اس کا دل پگھل کر پانی ہوا۔ اب وہ سچ مچ رو رہی تھی۔

''بہت جلد وہ دن آنے والا ہے عنبرین جب تم اس گھر کا حصہ بنو گی...... ایمل کے ساتھ ایک ہی گھر میں رہو گی۔ تب اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ تم نے کبھی ایمل کے ساتھ کوئی ڈراما کیا تھا...... بس تھوڑا انتظار اور میری جان۔''

وہ اور شدت سے رونے لگی تھی۔ کیا ایسا ممکن تھا کیا ایسا ہوسکتا تھا۔

بابر کچھ دیر یونہی اسے اپنے ساتھ لگائے ہولے، ہولے تھپکتا رہا پھر الگ کرتے ہوئے اس کے روئے،

روئے چہرے کو دیکھا۔
''آئندہ تم ایمل یا رتی کو فون نہیں کرو گی...... اور ہاں تم نے ہمارے گھر کا نمبر کہاں سے لیا۔''
''رتی سے۔'' وہ اب بھی ہولے، ہولے سسک رہی تھی۔
بابر نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بائیں ہاتھ میں پکڑے اس کے فون کو آن کیا اور contact چیک کرنے لگا پھر رتی ہوم کے نام سے سیو اپنے نمبر کو ڈیلیٹ کر کے موبائل سامنے والے صوفے پر پھینکا اور عنبرین کی طرف دیکھا۔
''بہت تھک گیا ہوں پلیز چائے پلوا دو۔'' ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے عنبرین نے بابر کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر کچھ دیر پہلے والے تناؤ اور غصے کی کیفیت نہ تھی۔
تھینک گاڈ بابر نے اس کی بات کا یقین کر لیا تھا۔ وہ مطمئن سی ہو کر مڑی ہی تھی کہ بابر کے فون کی بیل ہونے لگی۔ بابر نے پاکٹ سے فون نکال کر اسکرین پر نظر دوڑائی۔ وسیم کا فون تھا۔ اس نے کچن کی طرف جاتی ہوئی عنبرین کی طرف دیکھا اور فون آن کرتا ہوا لاؤنج سے باہر نکل گیا۔
''ہاں بولو سو کیا بات ہے؟''
''سر وہ اس کا پتا چل گیا ہے۔'' اس کے لہجے میں دبا، دبا سا جوش تھا۔
''گڈ......!'' بابر کے لبوں سے نکلا۔
''اب کیا حکم ہے سر!''
''کچھ نہیں...... بس تم مجھے اس کا ایڈریس سینڈ کر دو۔''
''ویسے کیا بات ہے سر؟'' وسیم شوخ ہوا۔ ''سنا ہے بڑی طرح دار لڑکیاں ہیں اس کی...... کہیں کسی پر دل ول تو نہیں آ گیا۔''
''بعد میں آرام سے بات کرتے ہیں اس وقت میں ذرا بزی ہوں۔'' بابر نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ''اور ہاں مجھے ابھی ایڈریس بھیج دو۔''
''او کے سر!''
فون آف کر کے وہ واپس لاؤنج میں آیا تو اس کے لبوں پر بڑی پُراسراری مسکراہٹ تھی۔

☆☆☆

فضا میں پھیلی خنکی سے بے نیاز وہ لان چیئرز پر بدن ڈھیلا چھوڑے بیٹھے تھے۔ جب خدا بخش نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ پورچ اور برآمدے میں جلنے والی لائٹ کی روشنی خدا بخش کے چہرے پر پڑ رہی تھی اور وہ بے حد فکر مندی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔
''صاحب آپ اتنی ٹھنڈ میں باہر بیٹھے ہیں۔''
''اچھا مجھے تو نہیں محسوس ہو رہی ٹھنڈ...... اور پھر یہاں کراچی میں اتنی ٹھنڈ کا کیا تصور......''
وہ ہولے سے ہنسے لیکن خدا بخش سنجیدہ سا کھڑا رہا۔
''آپ کے لیے تو صاحب خنکی ہی ہے، کل رات بھی آپ کو ٹھنڈ لگ کر بخار چڑھ گیا تھا اور یوں بھی دو تین روز سے رات میں خنکی ہو ہی جاتی ہے۔'' اس نے ان کے سفید کاٹن کے باریک سوٹ پر نظر ڈالی۔ ''یوں بھی یہاں اس وقت مچھر بھی تو ہوں گے اور رات کے وقت باہر سبزے میں بیٹھنا بھلا کوئی عقلمندی ہے اور ہمارے بزرگوں نے تو ہمیشہ رات کے وقت درختوں کے نیچے بیٹھنے سے منع کیا ہے۔''

''ٹھیک کہہ رہے ہو خدا بخش۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''یونہی مغرب کے وقت دل گھبرا رہا تھا۔ نماز پڑھ کر باہر آ بیٹھا...... ہلکی سی یہ خنکی اچھی لگ رہی تھی۔ سو بیٹھا رہا۔''

''کیا ہوا ہے صاحب، کوئی پریشانی کی بات ہے؟''

''ارے نہیں خدا بخش کیا پریشانی ہوتی ہے۔'' ہلکے پھلکے سے انداز میں کہتے ہوئے انہوں نے قدم آگے بڑھایا۔

''بچے کیا کر رہے ہیں؟''

''مجھے کیا معلوم صاحب، اپنے کمرے میں ہوں گے۔'' خدا بخش کے لہجے سے ناراضی جھلکتی تھی۔

''کیا بات ہے خدا بخش، ناراض لگ رہے ہو۔'' اس کے ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے انہوں نے برآمدے میں قدم رکھا۔

''نہیں تو...... میں بھلا کون ہوتا ہوں ناراض ہونے والا۔'' اس نے اسی لہجے میں کہا۔

''خدا بخش اِدھر دیکھو میری طرف۔'' انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

''کیا مجھ سے یا رواحہ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے یا ہم نے انجانے میں تمہارا دل دکھایا ہے؟''

''نہیں صاحب، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' خدا بخش نے آنکھوں میں بے اختیار آ جانے والے آنسو چھپاتے ہوئے دروازہ دھکیلا...... وہ بھی اس کے پیچھے ہی لاؤنج میں داخل ہوئے۔ لاؤنج خالی پڑا تھا۔ رواحہ کے روم سے ٹی وی کی آواز آ رہی تھی۔ شاید کوئی ٹاک شو لگا ہوا تھا۔

''چلو کمرے میں چل کر آرام سے بات کرتے ہیں۔'' انہوں نے خدا بخش کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکے تھے۔

خدا بخش نے تو کبھی اس طرح کی بات نہیں کی تھی پھر ایسا کیا ہو گیا تھا جو وہ اتنا ناراض اور خفا سا لگ رہا تھا...... خدا بخش کا اور ان کا تو بہت پرانا ساتھ تھا۔ وہ پریشان سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ خدا بخش ان کے پیچھے تھا۔

''ہاں اب بتاؤ خدا بخش کیا بات ہے؟'' اپنے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

''کیوں اتنے ناراض لگ رہے ہو...... کیا ہوا ہے؟''

''ہونا کیا ہے صاحب۔'' اس کی آنکھوں میں پھر آنسو چمکے تھے۔

''ہفتوں رواحہ صاحب اداس، غم زدہ پھرتے رہے۔ خدا بخش منہ ہی دیکھتا رہا کہ کچھ بتائیں کیا ہوا...... اور اب آپ ہیں کہ اداس و پریشان، ہفتوں سے گم صم...... اور خدا بخش کو خبر ہی نہیں کہ ہوا کیا ہے...... اتنا بیگانہ ہو گیا ہے وہ، رواحہ بیٹے کی تو خیر کوئی بات نہیں جوان آدمی ہیں، کوئی روگ لگا بیٹھے ہوں گے دل کو...... اور اب تو خیر کل سے قہقہے لگ رہے ہیں۔ اللہ کرے وہ ہمیشہ ایسے ہی ہنستے رہیں۔ لیکن آپ صاحب، آپ کو بھی کتنے دنوں سے کھویا، کھویا دیکھ رہا ہوں۔ لیکن آپ اب اپنا نہیں سمجھتے۔'' اس کے لہجے سے گلہ اور فکر مندی ایک ساتھ جھلک رہے تھے۔

''بیٹھ جاؤ خدا بخش...... ایسا نہیں ہے، تم سے بڑھ کر اور کون ہے ہمارا اپنا...... ایک تم ہی تو ہو میرے دکھوں کے ساتھی اور آشنا...... جب بھی دکھی ہوا تمہارے ہی کندھوں پر سر رکھ رویا ہوں۔''

''لیکن اب ایسا کیا ہے کہ مجھ سے بھی اپنے آنسو چھپائے پھرتے ہیں؟'' خدا بخش نے بے حد دردمندی سے کہا۔

''کچھ نیا تو نہیں ہے خدا بخش......'' وہ بے حد دلگرفتگی سے بولے۔ کیا کہتے کہ ڈرتے تھے ناں کہ دل میں چھپے جذبے عیاں ہوئے تو ضبط کے بند ٹوٹ نہ جائیں...... طلب بڑھ نہ جائے۔ وہ ٹھنڈی سانس لے

کر بولے۔
''بس ان دنوں ماضی بہت یاد آتا ہے۔ گزری ہوئی ایک، ایک بات ایک، ایک لمحہ یوں دل پر وارد ہوتا ہے جیسے کوئی بے دردی سے زخموں کے کھرنڈ اتار رہا ہو اور زخم چھلتے ہیں تو تکلیف تو ہوتی ہے ناں......''
خدا بخش...... بے حد دکھی ہوا...... اس معاملے میں وہ بے بس تھا...... اس کے پاس ان کے دکھ کا کوئی مداوا نہیں تھا...... بس تسلی بھرے لفظ تھے، دعائیں تھیں۔
''اللہ سے دعا کیا کریں صاحب......''
''کیا دعا کروں خدا بخش؟'' انہوں نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔ ''وہ دعا جو بار بار لبوں پر آ کر دم توڑ جاتی ہے۔ جہاں دل اس کی قبولیت کے لیے مچلتا ہے۔ وہاں اس کی قبولیت سے ڈرتا بھی ہے۔'' اور ان کی اس مبہم سی بات کو سمجھنے میں خدا بخش کو ایک لمحہ بھی نہیں لگا تھا۔ وہ ان کا غم آشنا ان کی اذیت کا اندازہ کر سکتا تھا...... سمجھ سکتا تھا کہ وہ کس تکلیف میں ہیں۔
''اللہ سے اپنے سکون کے لیے دعا کیا کریں۔ اللہ چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا۔''
''ہاں، اللہ چاہے تو...... لیکن خدا بخش اللہ چاہتا تو وہ سب......''
''بس صاحب آگے کچھ مت کہیے گا۔ اللہ اپنی مصلحتوں اور حکمتوں کو خود بہتر سمجھتا ہے۔ ہم بندے تو بس ظاہر کو دیکھنے والے کیا جانیں اور سمجھیں۔''
''تم ٹھیک کہتے ہو خدا بخش......'' انہوں نے ایک گہری سانس لی۔
''تم بھی دعا کرنا خدا بخش یہ اضطراب، یہ بے چینی جو اچانک ہی دل میں پیدا ہو گئی ہے ختم ہو جائے۔''
''میرا تو رواں، رواں آپ کے لیے دعا گو رہتا ہے صاحب! مجھ سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ آپ کا دکھ آپ کا کرب۔ میں نے دیکھے ہیں آپ کے آنسو آپ کا رونا، کرلانا...... آپ کے رت جگے، برسوں بیت گئے آپ کے لیے دعا کرتے کبھی تو بارگاہِ الٰہی سے قبولیت کی نوید ملے گی۔ انشاء اللہ ایک روز ضرور آپ کی بے سکونی ختم ہو گی صاحب۔''
''انشاء اللہ......'' انہوں نے پاؤں بیڈ پر رکھے اور نیم دراز ہو گئے...... خدا بخش خاموشی سے کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا۔
''میں شاید سو جاؤں، تم مجھے کھانے کے لیے مت جگانا۔''
''ٹھیک ہے صاحب...... گرم دودھ دے جاؤں گا۔''
''نہیں یار...... دودھ پینے کو بھی جی نہیں چاہ رہا ہے، ایک اچھی سی نیند لے کر اٹھوں گا تو صبح تک فریش ہو جاؤں گا۔ کل رات ٹھیک سے سو نہیں پایا تھا اس لیے آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔''
خدا بخش سر ہلا کر باہر چلا گیا تو انہوں نے تکیے پر سر رکھتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں لیکن آنکھوں میں تو جیسے کانٹے اُگ آئے تھے۔ بے چینی تھی، اضطراب تھا اور دل کو جیسے کوئی مٹھی میں لیے بھینچتا تھا...... کتنی بڑی غلطی ہو گئی تھی ان سے۔ مونا کا نمبر پھینکنے کی...... کیا رواحہ ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ کبھی تو اسے فون کر سکتے تھے۔ وہ اسے گھر نہ بلاتے رواحہ کو اس سے نہ ملاتے لیکن بات تو کر سکتے تھے اس سے۔ وہ اتنی گہری دوست تھی اس کی...... ضرور اس کا رابطہ ہوگا اس سے وہ جانتی ہوگی کہ وہ کہاں ہے...... اور کیا خبر اس نے اسے دیکھا بھی ہو...... پتا نہیں کیسی ہو گی وہ...... بہت سال پہلے وہ لاہور گئے تھے تو بے اختیار ہی اسے دیکھنے کو دل مچل اٹھا تھا۔
لیکن فون کرنے پر پتا چلا تھا کہ وہ کسی دوسرے شہر میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے۔

☆☆☆

فون ممی نے اٹھایا تھا۔
''کہاں......؟'' انہوں نے بے چینی سے پوچھا تھا۔
''میں اس سے ملنا چاہتا ہوں......حق ہے میرا۔''
اور ان کا مدعا جاننے کے بعد ممی نے یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا کہ بہتر ہے کہ وہ انہیں ڈسٹرب نہ کرے۔ اور اس بات کو بھی کتنے سال بیت گئے۔'' چندا پتا نہیں کہاں ہے......اس ملک میں یا کہیں کسی اور ملک میں اور وہ......''
ان کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں اور ان پانیوں میں اس کا عکس جھلملانے لگا۔ گلابی کمبل میں لپٹا وہ منا سا وجود......

دل پر دباؤ سا پڑا تو بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا۔
''یا اللہ مجھے صبر عطا فرما۔ اتنے سال میں نے خود کو سنبھالے رکھا تو پھر اب یہ دل کیوں بے قابو ہوا جاتا ہے۔ یا اللہ مجھے اس جدائی کو برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرما۔'' انہوں نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔
ماضی کی اس اذیت ناک رات کو تو وہ کبھی بھول نہیں سکے تھے۔ جب بھی اس رات کا خیال آتا ان کے اندر جیسے آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ ایسی آگ جو سب کچھ جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ اس رات ان کے کانوں میں جیسے چندا نے انگارے اتارے تھے وہ بے یقینی سے اپنے ہاتھ میں پکڑے ریسیور کو دیکھ رہے تھے۔ ان کے لب ساکت تھے لیکن اندر طوفان مچا تھا۔ ایسا طوفان جو سب کچھ تباہ کر دیتا۔ انہیں بھی اس رات ایسا ہی لگا تھا جیسے ان کے اندر سب کچھ تباہ ہوتا جا رہا ہو۔ وہ کیا کہہ رہی تھی ان کے کان سن تو رہے تھے لیکن دل قبول کرنے سے انکاری تھا۔ نہیں چندا اتنا بڑا الزام نہیں لگا سکتی ان پر......اتنی غلط بات نہیں کہہ سکتی۔ کیا وہ انہیں اتنا گھٹیا، اتنا گرا ہوا سمجھتی ہے......انہیں اپنے وجود پر شرمندگی ہوئی۔
کیا یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی انہیں زندہ رہنا چاہیے۔ انہیں لگا تھا جیسے زندگی ان کے لیے اس وقت اسی لمحے ختم ہو گئی ہے۔ ان کے چاروں طرف جیسے دھول اڑتی تھی اور آگ برستی تھی۔ وہ لڑکھڑائے تھے تب سامنے ہی صوفے پر بیٹھے ان کی طرف ہی تکتے ہوئے بابا جان، تیزی سے اٹھے تھے۔
''کیا ہوا؟''
''بابا جان!'' ان کے لبوں سے بہ مشکل نکلا تھا۔
''جانِ بابا......'' انہوں نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تھا۔
وہ انہیں بتانا چاہتے تھے کہ ابھی چند لمحے پہلے ان پر کیا قیامت ٹوٹی ہے۔ چندا نے کتنا بڑا الزام لگایا ہے ان پر۔ لیکن ان کی زبان لڑکھڑا گئی اور صرف زبان ہی نہیں لڑکھڑائی، دل نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ بابا جان انہیں بازوؤں میں سنبھالتے ہوئے خدا بخش کو آوازیں دینے لگے تھے۔ اور پھر جیسے ان کے اردگرد آوازیں مر گئی تھیں......اور پھر نہ جانے کتنے دن گزر گئے۔ انہیں بعد میں خدا بخش نے بتایا تھا کہ وہ پورے سات دن بے ہوش رہے تھے کبھی، کبھی آنکھ کھولتے اور پھر غنودگی میں چلے جاتے اور پورے سات دن بابا جان ان کے لیے اللہ سے گڑگڑا کر رو، رو کر ان کی زندگی کی دعائیں مانگتے رہے۔ پوری، پوری رات جانماز پر بیٹھے نفل پڑھتے رہتے۔ اور پھر اللہ نے ان کی سن لی۔ اس روز جب وہ مکمل طور پر ہوش میں آئے تھے تو تب بھی اسپتال کے اس کمرے میں وہ جانماز پر بیٹھے تھے اور خدا بخش ان کے بیڈ کے پاس کھڑا تھا۔
''خدا بخش مجھے کیا ہوا تھا؟'' انہوں نے بابا جان کو سجدے میں گرے دیکھ کر پوچھا تھا۔

''پتا نہیں صاحب...... آپ اچانک ہی بے ہوش ہو گئے تھے۔''
''اچانک؟'' انہوں نے ذہن پر زور دیا تھا اور انہیں یاد آ گیا تھا کہ چندا کا فون سننے کے لیے اٹھے تھے اور چندا نے کیا کہا تھا۔ انہیں یاد آیا تھا۔ اس کے لبوں سے نکلا ہر لفظ ان کے دل کو کاٹتا چلا گیا تھا۔ جیسے اس کے لبوں سے لفظ نہیں نکلے تھے۔ انگارے تھے جو جہاں، جہاں گرے تھے وہاں، وہاں کی زمین کو بھسم کرتے جاتے تھے۔
''بابا جان......!'' ان کی پکار میں کیسا درد تھا کہ بابا جان تڑپ کر جا نماز سے اٹھے تھے۔
''جانم......'' ان کے بیڈ پر آ کر ان کے پاس بیٹھتے ہوئے انہوں نے ان کے ہاتھ تھامے تھے۔ ان کی آنکھیں نم تھیں پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔
''اللہ کا شکر ہے بیٹا جس نے میری دعائیں سن لی۔''
''کاش میں ہوش میں نہ آتا بابا جان۔'' وہ ایک بار پھر اسی کیفیت سے گزر رہے تھے۔ چندا نے صرف طلاق کا مطالبہ ہی نہیں کیا تھا انہیں جیسے کند چھری سے ذبح کر ڈالا تھا۔
''اس نے ایسا کیوں کیا بابا جان؟'' بابا جان کے گلے لگتے ہوئے انہیں چندا کے فون کے متعلق بتاتے ہوئے وہ رو پڑے تھے۔
''وہ ویسے ہی کہہ دیتی اسے نہیں آنا۔ میرے ساتھ نہیں رہنا...... مجھے یوں میری ہی نظروں میں تو نہ گراتی......'' اس روز وہ بابا جان کے گلے لگ کر بلک بلک کر روئے تھے اور بابا جان ہولے، ہولے انہیں تھپکتے رہے تھے۔
دکھ تھا جو کم ہونے میں نہیں آتا تھا، اضطراب تھا جس میں کمی نہیں ہوتی تھی۔ وہ تڑپ، تڑپ کر روتے تو ڈاکٹر انہیں سکون آور دوا دے دیتے تھے پھر دو دن بعد بابا جان انہیں گھر لے آئے تھے۔ بابا جان اور خدا بخش ہر لمحہ ان کے ساتھ تھے۔ ان کی دلجوئی کرتے رہتے تھے، انہیں تسلی دیتے...... بابا جان تو مسلسل ان کے کمرے میں ہی سوتے تھے خدا بخش بھی وہیں نیچے کارپٹ پر لیٹ جاتا تھا۔ بابا جان نے کالج سے چھٹیاں لے لی تھیں۔ وہ دل ہی دل میں پشیمان ہوتے تھے کہ بابا جان ان کی وجہ سے پریشان ہیں خود کو سنبھالنے کی بھی کوشش کرتے تھے لیکن دل تھا کہ سنبھل ہی نہیں پاتا۔ چندا کہہ دیتی وہ ان سے نفرت کرتی ہے۔ اس نے کبھی ان سے محبت نہیں کی۔ کچھ بھی کہہ دیتی لیکن یہ نہ کہتی اور کتنے ہی اذیت ناک دنوں اور راتوں کے بعد اس روز وہ بیڈ پر لیٹے، لیٹے ایک دم اٹھ بیٹھے تھے۔ بابا جان بھی بیڈ کے پاس ہی کرسی بچھائے بیٹھے انہیں ہی دیکھ رہے تھے۔
''بابا جان آج کیا ڈیٹ ہے؟''

''آج دس تاریخ ہے بیٹا۔''
''دس......'' انہوں نے بے حد مضطرب ہو کر انہیں دیکھا تھا۔
''بابا جان آپ کو پتا ہے ناں ڈاکٹر نے دس کی ہی ڈیٹ دی تھی چندا کو۔''
''ہاں......'' بابا جان نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
''تو...... بابا جان آج اسے اسپتال جانا تھا یا پھر وہ اسپتال میں ہو گی...... آپ پلیز ان کے گھر فون کر کے پتا کریں ناں تو پھر ہم اسپتال چلتے ہیں۔ چندا بھلے مجھ سے خفا سہی بدگمان سہی لیکن وہ میرے بچوں کی ماں بننے والی ہے۔ ہمیں اس وقت اسپتال میں ہونا چاہیے۔''
اور بابا جان کرسی سے اٹھ کر ان کے پاس بیڈ پر آ بیٹھے تھے۔ انہوں نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ جیسے اپنے شفیق لمس سے انہیں حوصلہ دے رہے ہوں۔

''اس رات جب تمہارا نروس بریک ڈاؤن ہوا؟'' انہوں نے ہولے، ہولے کہنا شروع کیا تھا۔
''تو اسی رات چندا کا بی پی اتنا ہائی ہوگیا کہ اسے اسپتال لے جانا پڑا تھا اور......''
''چندا اور بچے...... وہ ٹھیک تو ہیں ناں بابا جان؟'' ان کا دل جیسے ڈوب سا گیا تھا اور انہوں نے بابا جان کی بات کاٹتے ہوئے بے حد وحشت سے پوچھا تھا۔
''ٹھیک ہیں۔'' انہوں نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
''میں تین دن بعد گھر آیا تھا۔ تم تب تک بالکل ہوش میں نہیں آئے تھے...... مجھے گھر سے چیک بک لینی تھی تب میں نے چندا کے گھر فون کیا...... میں پوچھنا چاہتا تھا کہ آخر چندا نے تم سے ایسا کیا کہا تھا کہ تم ہوش کھو بیٹھے تھے اور جب مجھے پتا چلا تھا کہ وہ اسپتال میں ہے اور اس کا فوری آپریشن کرنا پڑا تھا لیکن اب وہ ٹھیک ہے۔''
''آپ گئے تھے بچوں کو دیکھنے...... کیسے ہیں وہ؟'' اُن کا چہرہ جگمگا اٹھا تھا اور لہجے اور آنکھوں سے اشتیاق جھلکنے لگا تھا۔
''نہیں......'' انہوں نے نفی میں سر ہلایا تھا۔
''کیوں بابا جان؟'' ان کی آنکھیں بجھ گئی تھیں اور جگمگاتے چہرے پر دھول اڑنے لگی تھی۔
بابا جان نے نظریں چرائی تھیں۔
''کیوں بابا جان...... آپ کیوں نہیں گئے انہیں دیکھنے؟'' انہوں نے اپنی بات دُہرائی تھی۔ ان کے ٹوٹے ہوئے لہجے میں شکوہ در آیا تھا۔ ''مجھ سے زیادہ تو آپ کو بچوں کی آمد کا انتظار تھا۔''
''تمہاری حالت ٹھیک نہیں تھی...... اور پھر ڈاکٹر کوئی امید بھی تو نہیں دلاتے تھے۔ میں تمہیں اس طرح کیسے چھوڑ کر چلا جاتا؟''
''لیکن اب تو میں ٹھیک ہوں اور مجھے کتنے دن ہوگئے ہیں گھر آئے ہوئے اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں...... خیر اب چلتے ہیں...... اچھا وہ ابھی تک اسپتال میں ہی ہے یا گھر آگئی ہے......؟ آپ نے فون پر تو بات کی ہوگی ناں چندا سے۔''
وہ ابھی تک جانے کن خوش فہمیوں میں گھرے تھے۔ وہ بیڈ سے اترنے لگے تو بابا جان نے ایک بار پھر ان کا ہاتھ تھام لیا۔
''بیٹھو بیٹا بیٹھ جاؤ...... ابھی تمہاری طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں ہوئی۔''
''نہیں بابا جان، میں بالکل ٹھیک ہوں...... اتنے دن ہوگئے میرے بچوں کو دنیا میں آئے اور مجھے یہ تک نہیں پتا کہ میں بیٹوں کا باپ بنا ہوں یا بیٹیوں کا......؟'' وہ بیڈ سے اتر کر جوتوں کے ریک کی طرف بڑھے تھے...... ان کی ہر حرکت سے بے تابی اور بے چینی جھلکتی تھی...... جوتے اٹھاتے ہوئے انہوں نے مڑ کر بابا جان کو دیکھا تھا۔
''بابا جان آپ نے بتایا نہیں کہ میں......''
وہ انہیں کیا بتاتے انہیں تو خود علم نہیں تھا۔ بعد میں انہوں نے بتایا تھا کہ کتنی بار فون کرنے کے بعد ایک بار چندا کی ممی سے بات ہوسکی تھی اور چندا نے تو ایک بار بھی بات نہیں کی تھی...... بس اس روز ملازمہ سے انہیں اتنا ہی معلوم ہوسکا تھا کہ چندا کا سیزرین ہوا ہے۔
وہ بیڈ پر بیٹھ کر شوز پہننے لگے تھے تب بابا جان نے جھجکتے ہوئے کہا تھا۔
''وہ دراصل تمہارے ہوش میں آنے کے بعد میں چندا اور بچوں کو دیکھنے کے لیے جانا چاہتا تھا لیکن چندا کی ممی نے منع کردیا؟ اور طلاق کی بات کرنے لگیں۔''

''منع کر دیا...... لیکن کیوں؟'' انہیں حیرت ہوئی تھی۔ ''وہ بھلا کیسے منع کر سکتے ہیں، وہ میرے بچے ہیں اور کوئی بھی مجھے ان سے ملنے اور دیکھنے سے منع نہیں کر سکتا۔'' ان کا رنگ سرخ ہوا تھا۔

''وہ چاہے مجھ پر جو بھی الزام لگائے، بھلے طلاق لے لے تب بھی وہ مجھے بچوں سے جدا نہیں کر سکتی۔'' وہ جذباتی ہو گئے تھے۔

اس وقت ان کے تصور میں صرف بچے تھے جنہیں انہوں نے ابھی تک دیکھا نہیں تھا۔ جن کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ اور جن کے لیے انہوں نے چندا کے ساتھ مل کر کتنے خواب دیکھے تھے۔

رواحہ نے آہستہ، آہستہ دروازہ کھولا تو انہوں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اور دروازہ کھول کر اندر جھانکتا رواحہ انہیں آنکھیں کھولتا دیکھ کر اندر آ گیا تھا۔

''آپ جاگ رہے ہیں بابا؟''

''ہوں...... کوشش کر رہا تھا سونے کی لیکن نیند نہیں آ رہی تھی۔'' اندر کا درد چھپا کر وہ مسکرائے۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟ چاچا کہہ رہے تھے آپ کھانا نہیں کھائیں گے۔''

''ہاں طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے بس یونہی بھوک نہیں تھی اور پھر کچھ نیند بھی آ رہی تھی لیکن بستر پر لیٹا تو محترمہ نیند صاحبہ رخصت ہو گئیں۔'' انہوں نے زبردستی آواز میں شگفتگی پیدا کی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ رواحہ ان کے لیے پریشان ہو...... اسی لیے انہوں نے خدابخش کو بھی منع کر رکھا تھا کہ وہ ان کی طبیعت کی خرابی کا ذکر رواحہ سے نہ کیا کرے۔

''پکی بات؟'' اس نے کھوجتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''پکی بات یار......'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئے تھے...... رواحہ جب بھی ان کے لیے متفکر ہوتا انہیں اس پر ٹوٹ کر پیار آتا۔

''پتا نہیں کیا بات ہے بابا، آپ ان دنوں مجھے کچھ بدلے، بدلے سے لگتے ہیں۔''

''سارا قصور تمہاری نظر کا ہے جان...... بدلاؤ تو تمہارے اندر آیا ہے۔'' انہوں نے بے حد گہری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ جھینپ گیا۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہے تھے۔ اس کے اندر تو واقعی کچھ تبدیلی آ گئی تھی۔ اندر جیسے پھول ہی پھول کھلے ہوئے تھے...... خوشبوئیں تھیں، رنگ تھے اور ارتفاع کی محبت کی چاندنی ہر سو بکھری ہوئی تھی۔

ارتفاع جو ہمیشہ اسے دور آسمان پر چمکتے تارے کی طرح لگتی تھی، اس کی دسترس سے بہت دور اس کی محبت ایک حسرت کی طرح اس کے دل میں اتری تھی لیکن اب ایسا نہیں تھا بہت تھوڑے عرصے میں وہ دونوں بہت قریب آ گئے تھے۔ ابھی کل ہی تو اس نے کہا تھا کہ وہ اسے اپنے پاپا سے ملوانا چاہتی ہے۔ بابا نے اس سے کہا تھا کہ وہ رتی سے کھل کر بات کر لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بہت آگے جا کر اس کے لیے واپس پلٹنا مشکل ہو جائے لیکن اس کے بات کرنے سے پہلے ہی رتی نے خود ہی اسے اپنے پاپا سے ملوانے کی بات کر دی تھی۔ اسے یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اسے اپنے پاپا سے کیوں ملوانا چاہتی ہے۔ وہ جانتا تھا بھلے زبان سے رتی نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن کیا زبان سے کچھ کہنا ضروری تھا۔

''پاپا ان دنوں لاہور گئے ہوئے ہیں جیسے ہی وہ واپس آئیں گے، میں تمہیں ان سے ملواؤں گی۔''

''کیا ان سے ملنا ضروری ہے؟'' اس نے شرارت سے اسے دیکھا تھا۔

''تم اگر ضروری نہیں سمجھتے تو نہ سہی۔'' اس نے بظاہر سنجیدگی سے کہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں مچلتی شرارت اس سے پوشیدہ نہیں رہ سکی تھی۔

''کس سوچ میں پڑ گئے ہو جانم کیا میں نے کچھ غلط کہا۔'' وہ اسے بغور دیکھ رہے تھے۔
''میں سوچ رہا تھا کہ آپ کتنی خوب صورتی سے بات بدلنے میں مہارت رکھتے ہیں۔'' اس نے چونک کر کہا تو وہ بے اختیار ہنس دیے۔
''بھلا کیا بات بدلی ہے میں نے؟''
''آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں۔'' لمحہ بھر کے لیے وہ سنجیدہ ہوا تھا۔
''نہیں یار، تم سے بھلا کیا چھپاؤں گا۔'' وہ دل ہی دل میں مسکرایا وہ اپنی طرف سے ان کا دھیان ہٹانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔
''اپنی پریشانی...... اپنی بیماری سب کچھ ہی تو چھپاتے ہیں آپ مجھ سے۔''
''ارے نہیں میری جان ایسا کچھ نہیں ہے...... میری عمر میں ایسے دورے پڑتے رہتے ہیں۔ کبھی خاموشی کے کبھی اداسی کے...... خیر تم لوگوں نے کھانا کھا لیا؟'' انہوں نے بات بدلی۔
''نہیں، خدا بخش کھانا لگانے لگا تھا میں دیکھنے آیا تھا کہ آپ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں...... دراصل عظام جا رہا ہے۔''
''کہاں......؟'' بے اختیار ان کے لبوں سے نکلا۔
''اپنے گھر۔''
''اس وقت...... خیریت تو ہے ناں......'' انہوں نے سامنے دیوار پر لگے کلاک پر نظر ڈالی۔ ساڑھے دس بج رہے تھے۔
''ہاں خیریت ہے...... اس کے پاپا واپس آ گئے ہیں...... ابھی کچھ دیر پہلے ممتاز خان کا فون آیا تھا اور وہ فوراً ہی جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ میں نے بہ مشکل کھانے کے لیے روکا ہے۔ میں نے کہا بھی تھا کہ صبح چلا جائے لیکن وہ اپنے پاپا سے ملنے کے لیے بہت بے چین ہو رہا ہے۔'' اس کے لبوں پر ایک بھید بھری مسکراہٹ نمودار ہوئی۔
''نیچرل بات ہے بیٹا...... بہت دن بھی تو ہو گئے ہیں ناں اسے اپنے پاپا سے ملے۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ''تم چلو میں فریش ہو کر آتا ہوں۔''
وہ سر ہلا کر مڑا تو اس کے لبوں پر وہی بھید بھری مسکراہٹ ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ عظام کی بے چینی کا راز دار تھا...... بہت سارے دنوں سے وہ عظام میں جو تبدیلی محسوس کر رہا تھا وہ اب راز نہیں رہی تھی۔ عظام نے اعتراف کیا تھا کہ وہ بھی رواحہ کی طرح محبت میں گرفتار ہو گیا ہے...... لیکن وہ خود ہی اس محبت کی نفی کر رہا تھا۔ اپنے جذبوں کو جھٹلا رہا تھا۔ لیکن بالآخر اسے اس محبت کے آگے سر جھکانا پڑا تھا۔ اس نے پارک میں ہونے والی پہلی ملاقات کا سارا احوال رواحہ سے کہہ دیا تھا۔ اور رواحہ حیران سا رہ گیا تھا۔
''مجھے یہ شک تو تھا کہ تم کسی ایسی ہی واردات سے گزرے ہو لیکن میں منتظر تھا کہ تم خود ہی کچھ بتاؤ...... لیکن یہ جو کچھ تم نے بتایا ہے یہ کچھ افسانوی سی بات نہیں ہو گئی...... ایک لڑکی جسے تم نے صرف تین بار دیکھا اور دل میں اس کے لیے ایک انوکھا جذبہ محسوس کیا...... جبکہ وہ لڑکی تمہارے اس جذبے سے بے خبر ہے لیکن ایک روز اچانک وہ خود تم سے عمر بھر کے ساتھ کی آرزو کرتی ہے۔''
وہ ہولے سے ہنسا تھا۔
''اللہ تم پر بہت مہربان ہے دوست...... جیسے تم نے خیالوں میں سوچا۔ اللہ نے اسے تمہارے سامنے لا کھڑا کیا۔ لو یہ تمہاری مطلوب ہے...... اسے اپنا لو...... تم پر تو اللہ کا شکر واجب ہو تا ناں......''

''ہاں یار، میں خود بھی ابھی تک اس حیرت کدے سے نہیں نکل پایا ہوں۔'' اس نے رواحہ کی بات کی تائید کی تھی۔ ''ایسا لگتا ہے جیسے کوئی خواب سا دیکھا ہے۔''

رواحہ یونہی...... عظام کے متعلق سوچتا ہوا لاؤنج میں آیا تو عظام فون پر بات کر رہا تھا۔

''ٹھیک ہے پاپا، میں ویٹ کر رہا ہوں۔'' اس نے فون آف کر کے رواحہ کی طرف دیکھا۔

''پاپا کا فون تھا، وہ ممتاز خان کو بھیج رہے ہیں گارڈ کے ساتھ...... منع کر رہے تھے کہ اس وقت اکیلا نہ آؤں حالانکہ ابھی صرف ساڑھے دس ہی بجے ہیں...... اور جب پاپا یہاں نہیں تھے تو تب بھی تو میں اکیلا ہی ڈرائیو کرتا تھا۔''

''یہ پاپا لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اپنے بچوں کے لیے اتنے ہی وہمی اور کیئرنگ......'' رواحہ اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ ''میرے بابا بھی بالکل ایسے ہی ہیں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے عظمی اس پس منظر کے ساتھ تمہارے پاپا بجل کو قبول کرلیں گے۔''

جب سے عظام گھر جانے کے لیے تیار ہوا تھا رواحہ کو تشویش ہو رہی تھی کہ کہیں عظام کے پاپا انکار نہیں کر دیں۔ وہ جانتا تھا کہ عظام پاپا سے بات کرنے کے لیے بے چین ہے۔

''میرے پاپا سطحی سوچ نہیں رکھتے رواحہ...... مجھے یقین ہے وہ انکار نہیں کریں گے۔''

''اور بجل کی والدہ...... ان کے متعلق کیا خیال ہے وہ مان جائیں گی جبکہ انہوں نے بقول بجل اس کے پیدا ہوتے ہی اس کے فیوچر کے لیے پلاننگ کرلی تھی۔''

''میں ان کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا...... اور پھر یہ تو بعد کی بات ہے، پہلے پاپا سے بات کرلوں۔''

عظام کے تصور میں شاہجہان بیگم آگئیں۔ وہ بجل کے ساتھ جب گھر میں داخل ہوا تھا تو وہ اسے دیکھ کر از حد حیران ہوئی تھیں تاہم انہوں نے بہت خوش دلی سے اس کا حال احوال پوچھا تھا۔ بجل نے انہیں بتایا تھا کہ وہ گھر کے سامنے سے گزر رہا تھا تو اس نے اسے گھر آنے کی دعوت دی۔

''اچھا کیا......'' شاہجہان نے سر ہلایا تھا لیکن اس کی کھوجتی نظریں بار، بار ان دونوں کے چہروں پر پڑی تھیں۔ بجل کا چہرہ سپاٹ تھا ہر طرح کے تاثرات سے عاری جبکہ وہ ان کی کھوجتی نظروں سے کچھ کنفیوز سا ہو گیا تھا۔

''آپ پھر نہیں آئیں۔'' اس نے گھبراہٹ چھپاتے ہوئے کہا تو شاہجہان بیگم مبہم سا مسکرائیں۔

''معاف کرنا بیٹا تمہارے گھر کوئی عورت نہیں اس لیے مناسب نہیں لگا دوبارہ آنا...... اس روز بھی غلط فہمی میں چلے گئے تھے۔''

''جی......!'' وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوا تھا۔ پتا نہیں بجل کیوں اسے ساتھ لے آئی تھی۔

''میں چلتا ہوں اب......''

''ارے اب آئے ہو تو دو گھڑی بیٹھ جاؤ...... اور پروفیسر صاحب کیسے ہیں؟''

''جی بابا ٹھیک ہیں۔'' اس نے بجل کی طرف دیکھا جس کے سپاٹ چہرے پر لمحے بھر کے لیے نرماہٹ سی نظر آئی تھی۔ شاید وہ چاہتی تھی کہ وہ بیٹھ جائے۔

وہ بیٹھ گیا تھا۔

''موراں...... موراں۔'' شاہجہان بیگم آواز دینے لگی تھیں۔

''مہمان آئے ہیں کوئی چائے پانی لاؤ۔''

''نہیں...... نہیں شکریہ...... میں بس چلوں گا۔'' اس نے پھر گھبرا کر بجل کی طرف دیکھا تھا جو سیڑھیوں کی

طرف دیکھ رہی تھی اور وہ شوخ اور چلبلی سی لڑکی دو، دو سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آئی تھی۔

''یہ سنہری ہے...... میری بڑی بہن......'' سجل نے لمحے بھر کے لیے ہی اسے دیکھا تھا۔

وہ عمر میں سجل سے کافی بڑی لگ رہی تھی لیکن اس کے ہونٹوں پر ایک شرارت بھری مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں شوخی تھی اور وہ بہت دلچسپی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''اوہ...... آپ کا نام......؟''

''عظام......''

''کیا کرتے ہیں؟''

وہ اس کے بالکل سامنے والے صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھ گئی تھی اور جیسے اس کا انٹرویو لے رہی تھی۔

''پڑھتا ہوں۔''

''کتنے بہن، بھائی ہیں؟''

''اکلوتا ہوں......''

''پھر تو موجیں ہی موجیں ہیں۔'' اس نے چٹکی بجائی تھی۔

''اماں، ابا کی سب محبتیں اکیلے، اکیلے ہی بٹورتے ہیں۔''

''میری امی کا میرے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔''

''اوہ...... پھر ابا نے دوسری شادی کر لی ہو گی؟''

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

سجل انہیں باتیں کرتا چھوڑ کر لاؤنج سے نکل گئی تھی۔

اور وہ لاؤنج میں سنہری اور شاہجہان بیگم کے ساتھ اکیلا رہ گیا تھا۔

''موراں...... موراں......'' شاہجہان بیگم نے پھر آواز دی تھی تب موراں آئی تھی جھنجلائی ہوئی سی۔

''اے شاہجہان بیگم چھری تلے دم تو لیا کرو۔ پھلکے ڈال رہی تھی۔''

یہ وہی خاتون تھی جسے اس نے پہلی بار بک شاپ پر سجل کے ساتھ دیکھا تھا۔

''میں نے چائے، پانی کے لیے کہا تھا۔''

''یہ کون سا وقت ہے چائے کا؟'' موراں بھی خاصی بدلحاظ تھی۔

''تو ٹھیک ہے کھانا لے آؤ۔'' سنہری نے شاہجہان بیگم کے بولنے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا اور پھر اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

''موراں نے قیمہ، کریلے پکائے ہیں اور میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ موراں جیسے قیمہ، کریلے کوئی اور نہیں پکا سکتا۔'' اور پھر یہ سنہری ہی تھی جس نے بے حد اصرار سے اسے کھانے پر روکا تھا...... موراں نے کچھ دیر بعد وہاں ہی سینٹر ٹیبل پر کھانا لگا دیا تھا۔ قیمہ کریلے اور گرم، گرم پھلکے...... اسے واقعی مزیدار لگے تھے...... سنہری نے کھانے کے وقت سجل کو بھی آواز دے لی تھی...... سجل سر جھکائے بیٹھی رہی تھی۔ اس نے ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ شاہجہان بیگم جلدی ہی اٹھ گئی تھیں۔

''معاف کرنا بیٹے...... میرے سر میں درد ہے۔ میں کچھ آرام کروں گی۔'' شاہجہان بیگم چلی گئی تھیں لیکن سنہری مسلسل بولتی رہی تھی...... اس کی گفتگو کا محور سجل تھی۔

اس کی عادات، اس کی دلچسپیاں اس کے شوق......

''یہ بچپن سے۔۔۔ ایسی ہی ہے گپ چپ...... خاموش فلسفی سی...... مہاتما بدھ جیسی کسی گیان میں گم......''
سجل نے دو تین بار اسے تنبیہی نظروں سے دیکھا بھی تھا لیکن اس نے اگنور کر دیا تھا...... وہ کھانا کھا کر فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا...... اور اس نے سنہری کا شکریہ ادا کیا تھا۔
''اس میں شکریے کی کیا بات ہے، کسی روز تم ہمیں کھانا کھلا دینا حساب برابر......'' وہ زور سے ہنسی تھی۔
ایک لمحے کے لیے تو وہ اس کی بے تکلفی پر ہکا بکا رہ گیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے خوش دلی سے کہا تھا۔
''ضرور جب دل چاہے تشریف لے آیئے گا۔'' وہ خدا حافظ کہہ کر دروازے کی طرف بڑھا تو سنہری نے سجل کو کہنی ماری تھی۔
''جا اپنے مہمان کو گیٹ تک تو چھوڑ آ......''
''کیا سوچنے لگے ہو یار......'' وہ اپنی سوچ میں گم تھا تبھی رواحہ نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔
''اگر تمہارے پاپا نہ مانیں تو ہم منالیں گے بے فکر رہو۔''
''نہیں...... یہ بات نہیں ہے میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔''
''کیا! سجل نے پھر بات کی تم سے؟''
''نہیں...... اس کے پاس اپنا سیل فون نہیں ہے۔''
''کمال ہے، آج کل کے دور میں تو فقیروں نے بھی سیل فون اٹھا رکھے ہیں۔''
''وہ کہہ رہی تھی کہ اسے کبھی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی لیکن موتیا اور سنہری کے پاس ہے۔ وہ خود ہی تین چار روز تک مجھے فون کرلے گی۔ میں نے سنہری کو اپنا نمبر دے دیا تھا۔ جب وہ گیٹ تک مجھے خدا حافظ کہنے آئی تھی تو اس نے کہا تھا کہ وہ سنہری سے نمبر لے لے گی...... اور میں چاہتا ہوں اس کے فون کرنے سے پہلے میں پاپا سے بات کرلوں۔''
''کھانا لگا دیا ہے آجائیں۔'' خدا بخش نے ڈائننگ ٹیبل کے پاس کھڑے، کھڑے آواز دی تو دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔
''مجھے پہلے پتا ہوتا کہ عظام صاحب جا رہے ہیں تو میں کچھ اسپیشل بنالیتا۔'' خدا بخش نے ان کے بیٹھنے کے بعد کہا۔
''میرا آنا جانا تو لگا ہی رہے گا چاچا...... اور پھر آپ کا پکا تو سب اسپیشل ہی ہوتا ہے۔''
''پھر بھی کچھ تو بنالیتا...... یہ کچھ شامی کباب پڑے تھے فریزر میں فرائی کرلیے...... ماش کی دال اور چکن تو پہلے ہی بنا چکا تھا۔'' اس نے کباب کی ڈش عظام کی طرف بڑھائی۔
''بابا بھی آرہے ہیں۔'' رواحہ نے خدا بخش کو بتایا تب ہی وہ لاؤنج میں داخل ہوئے۔
''آجائیں بابا......'' رواحہ نے آواز دی۔ گو انہیں بالکل بھوک نہیں تھی لیکن وہ عظام کی خاطر آکر بیٹھ گئے تھے اور ایک کباب اپنی پلیٹ میں رکھ لیا۔
''کیسا گھر بھرا بھرا سا لگنے لگا تھا، عظام میاں کے آنے سے اور اب پھر بے رونقی ہو جائے گی۔'' خدا بخش افسردہ سا لگ رہا تھا۔
''یہ تو ہے...... عظام کے آنے سے بہت رونق ہوگئی تھی۔'' انہوں نے بھی خدا بخش کی تائید کی اور عظام کی طرف دیکھا۔

''صبح چلے جاتے تو بہتر تھا لیکن ظاہر ہے تمہارے پاپا بھی تم سے ملنے کو بے چین ہوں گے اور تم بھی۔ خدا بخش کو ساتھ لے جانا، یہ واپس ٹیکسی پر آ جائے گا۔'' رواحہ نے مسکرا کر عظام کی طرف دیکھا۔

''میرے بابا تمہارے پاپا سے کچھ کم وہمی نہیں ہیں۔'' عظام کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''پاپا گاڑی بھیج رہے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''یہ اچھا ہے، مجھے فکر ہو رہی تھی۔''

''حالانکہ گیارہ بارہ بجے کوئی ایسی رات بھی نہیں ہوتی۔'' رواحہ نے خیال ظاہر کیا۔

''لیکن احتیاط اچھی بات ہے جبکہ دشمنی کا بھی خطرہ ہو۔'' انہوں نے کہا تب ہی ڈور بیل کی آواز سنائی دی۔

''لو بھئی آ گئے تمہارے ممتاز خان۔'' رواحہ نے عظام کی طرف دیکھا تو عظام ایک دم ہی کھڑا ہو گیا۔

''ارے بیٹا کھانا تو کھا لو۔'' انہوں نے اسے روکا۔

''کھانا تو بس کھا ہی چکا تھا...... اب چلوں گا پاپا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''اچھا بیٹا اللہ حافظ...... آتے رہنا...... یہ نہ ہو کہ اپنے پاپا کو پا کر بھول جاؤ ہمیں۔'' وہ ہولے سے ہنسے۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے بابا...... پاپا کے بعد آپ لوگ ہی تو ہیں میرے......اور یہاں میرا بہت اچھا وقت گزرا...... آپ، خدا بخش چاچا، رواحہ...... آپ سب بھی میری زندگی کا حصہ ہیں۔'' عظام تھوڑا جذباتی ہوا تھا۔

''ہم تو یہ دعا بھی نہیں کر سکتے کہ اللہ آپ کو پھر جلدی یہاں لے کر آئے۔'' خدا بخش نے جو افسردہ سا کھڑا تھا اس نے بھی بولنا ضروری سمجھا۔

''کیوں، دعا نہیں کر سکتے چاچا ضرور کریں دعا۔'' رواحہ ٹشو سے ہاتھ صاف کرتا ہوا اٹھا۔

''لو میاں کیسے دعا کریں اور کیوں کریں کہ ہمارے عظمی میاں کے پاپا پھر باہر چلے جائیں۔ ہم تو دعا کریں گے کہ وہ ہمیشہ ہمارے عظام صاحب کے پاس رہیں بہت تنہا رہ لیے۔''

''اوہ...... ہاں......'' رواحہ اب ان کی بات سمجھا تھا۔

تب ہی بیل پھر ہوئی۔

''اچھا بابا اللہ حافظ......'' عظام نے کہا تو انہوں نے بے اختیار ہاتھ پھیلا دیے اور عظام بھی ان کے بازوؤں میں سمٹ آیا۔ اس کی پیشانی چومتے اور اسے دعا دیتے ہوئے۔ ان کے دل کی عجیب سی کیفیت ہوئی اور وہ اپنی اس کیفیت کو نہ سمجھ سکے۔

عظام کی آنکھوں میں بھی نمی سی نظر آئی تھی لیکن اس نے نمی چھپانے کے لیے جھک کر بیگ اٹھایا اور خدا بخش کو بھی خدا حافظ کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ رواحہ اس کے ساتھ تھا۔

''بے شک ہماری یونیورسٹی میں روز ہی ملاقات ہو گی لیکن میں تمہیں یہاں گھر میں بہت مس کروں گا۔''

عظام سے بات کرتے، کرتے اس نے گیٹ کھولا تھا اور پھر یک دم پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے ایک ہاتھ سے عظام کو پیچھے دھکیلا۔ گیٹ کے باہر کھڑے دونوں افراد اس کے لیے اجنبی تھے...... لیکن وہ ان کے لیے ہرگز اجنبی نہیں تھا۔

ایک نے تیزی سے آگے بڑھ کر رواحہ کو بازو سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تھا جبکہ دوسرے نے یک دم ہی دایاں ہاتھ آگے کیا تھا جس میں ریوالور چمک رہا تھا۔ رواحہ کے پورے وجود میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی اس نے اسے پہچان لیا تھا۔

☆☆☆

شاہجہان بیگم لاؤنج میں بائیں طرف دیوار کے ساتھ لگے صوفہ کم بیڈ پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں۔ اس کے سامنے نقشین پاندان کھلا ہوا تھا۔ ایک طرف دیوار سے ٹیک لگائے ظہورا کھڑا شاہجہان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

''یہ تم نے پھر پان کھانا شروع کر دیا، یاد نہیں ڈاکٹر نے اُدھر لاہور میں کیا کہا تھا تجھ سے کہ کینسر ہو جائے گا۔''

''خواہ مخواہ میں میرا دل مت جلاؤ ظہورے میں تو بس یونہی ذرا سی چھالیا پھانکنے لگی تھی۔''

''یہ چھالیا ہی تو فساد کی جڑ ہے۔''

''اچھا چل مجھے نصیحت نہ کر۔'' شاہجہان نے ہتھیلی پر رکھی کتری ہوئی چھالیا منہ میں ڈالی اور کھٹاک سے پاندان کا ڈھکن بند کیا اور ناگواری سے اسے دیکھا۔

''میرے سر پر کیوں کھڑا ہے بیٹھ کر بات کر۔''

''کیا بات کروں؟'' ظہورے کو بھی کبھی کبھی اسے چڑانے میں مزہ آتا تھا۔

''جس کام کے لیے تجھے بھیجا تھا اس کا بتا۔''

''وہ کام تو نہیں ہوا۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں...... کیا سیر کرنے کے لیے بھیجا تھا تجھے لاہور......؟''

''دیر ہو گئی شاہجہان بیگم...... وہ لڑکیاں تو باہر بھیج بھی دی گئیں۔''

''ہائے کمبخت زبان کر کے مکر گیا۔''

''آج کل سب پیسے کے یار ہیں، زبان کی کسے پروا ہے شاہجہان بیگم۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' شاہجہان بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''لگتا ہے ظہورے اپنا بڑھاپا تو خوار ہی ہوگا۔ سوچا تھا ایک دو نوجوان لڑکیاں مل جاتیں تو......؟'' اس نے پھر ٹھنڈی سانس بھری۔

''کرن اور چنبیلی بھی اب بس......''

''خیر...... اس دوسرے کام کا کیا ہوا؟''

''وہ بھی سمجھو نہیں ہوا...... صرف اتنا ہی پتا چلا کہ اس کا نام وسیم ہے۔ سب اسے وسو...... وسو کہتے ہیں اور اس نے تقریباً ہر گھر میں ہی جا کر تمہارا پوچھا تھا۔ اور یہ کہ وہ رادھا کے چوبارے پر اکثر جاتا تھا۔''

''تو...... رادھا نے تجھے کچھ نہیں بتایا...... بھول گئی میرا احسان......''

''نہیں...... رادھا...... سے ملاقات ہی نہیں ہوئی، وہ تو محلہ چھوڑ کر کہیں اور چلی گئی۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ سبزہ زار میں کوٹھی لی ہے اس نے اور کوئی کہہ رہا تھا کہ ڈیفنس چلی گئی ہے۔''

''ہاں بھئی اس کے نصیب......'' شاہجہان نے پھر پاندان کا ڈھکن اٹھایا۔ چند دانے چھالیا کے اٹھا کر منہ میں ڈالے اور ڈھکن بند کر کے ظہورے کی طرف دیکھا جو بدستور اسی طرح دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''اور تجھے کیا میں نے سیر کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ مٹھی بھر روپے خرچ کر کے دو بار لاہور بھیجا اور اسی طرح منہ اٹھائے چلا آیا۔ اتنا بھی نہ معلوم کر سکا کہ وہ کمبخت جو مجھے ڈھونڈتا پھر رہا ہے آخر ہے کون...... کس کا بندہ ہے؟''

''کون ہے...... یہ تو معلوم نہیں، البتہ کس کا بندہ ہے اس کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ خانو استاد یا حیاتی دادا کا بندہ ہوگا۔''

''ہوگا سے کیا مطلب؟'' یکبارگی شاہجہان بیگم کا دل زور سے دھڑکا۔
''مطلب کہ میرا اندازہ ہے، بھلا اور کسے تمہاری کھوج ہو سکتی ہے؟'' ظہورے کے ہونٹوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ ابھری۔
''کسی کو بھی ہو سکتی ہے۔ پر حیاتی دادا کو نہیں۔ اور نہ ہی خانو دادا کو۔''
''اور کاش حیاتی دادا ہی اسے ڈھونڈ رہا ہوتا۔'' اس نے دل ہی دل میں سوچا۔
''تجھے بہت یاد آتا ہے وہ؟'' ظہورے کا چہرہ حسد کی آگ سے جیسے لمحے بھر کے لیے تپ سا گیا تھا۔
''کتنی بار کہا ہے فضول بک، بک نہ کیا کر... پر تیری زبان کے آگے بھی خندق ہے بس جو منہ میں آئے اگلتا چلا جاتا ہے۔''
''اور تو حیاتی دادا کے نام پر اتنا تپنے کیوں لگتی ہے؟'' ظہورے کا انداز چڑانے والا تھا۔
اب کے شاہجہان بیگم نے صرف اسے گھورا۔ اسے حیاتی دادا کے ساتھ اپنی پہلی ملاقات یاد آ گئی تھی۔ ان دنوں طیفا بدمعاش نے ان کی زندگی تنگ کر رکھی تھی۔ جب جی چاہتا دندناتا ہوا آ جاتا اور جب تک بیٹھتا اس کے آدمی نیچے سیڑھیوں کے پاس کھڑے رہتے اور کسی اور کو چوبارے پر نہ چڑھنے دیتے تھے حالانکہ یہ وہ دن تھے جب چوبارے میں سرِشام ہی رونق لگنا شروع ہو جاتی تھی۔ بڑے، بڑے لوگ اس کی لڑکیوں کا گانا اور رقص دیکھنے آتے تھے اور فجر کی اذانوں تک محفل گرم رہتی تھی لیکن جب سے طیفے نے اس کے چوبارے پر آنا چھوڑ دیا تھا۔ ایک طرح سے چوبارہ ویران ہی ہو گیا تھا اور پھر اسی پر بس نہیں تھا جس لڑکی کو چاہتا ہاتھ پکڑ کر لے جاتا۔ ایک دفعہ شیدے لمبے نے اسے روکنے کی کوشش کی تو ہاتھ تڑوا بیٹھا تھا۔ ایسے میں اسے خانو دادا کا خیال آیا تھا۔ خانو کبھی کبھار ہی گانا سننے آتا تھا لیکن کئی بار وہ شاہجہان بیگم کے کام آیا تھا۔ ایک بار تو ایک ایس ایچ او ایسا اس کے

پیچھے پڑا تھا کہ ہر دوسرے تیسرے دن اسے تھانے بلوا کر خوار کرتا تھا...... تب خانو دادا نے ہی اس کی جان چھڑوائی تھی۔ تب سے خانو دادا کی ایسی دھاک بیٹھی تھی کہ کوئی اس کے چوبارے کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔

لالہ رخ بہت کم سن اور خوب صورت تھی اور ابھی تو وہ باقاعدہ محفل میں بیٹھی بھی نہیں تھی کہ طیفا اسے ساتھ لے جانے کی باتیں کر رہا تھا۔ شاہجہان ہر روز کوئی بہانہ کر دیتی لیکن جانتی تھی کہ یہ بہانے زیادہ دن نہیں چلیں گے...... خانو دادا بہت دنوں سے اِدھر نہیں آیا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ کہاں رہتا ہے اس نے کہہ رکھا تھا کہ کوئی مسئلہ ہو تو بے دھڑک اس کی طرف چلی جائے۔ سو وہ برقع پہن کر اکیلی ہی اس کے ٹھکانے پر پہنچ گئی تھی...... اور وہاں پہلی بار وہ حیاتی دادا سے ملی تھی...... اور پہلی نظر ہی نے جیسے دل پر ضرب لگائی تھی...... پُرسوز آنکھوں اور شاندار شخصیت والا حیاتی دادا کسی بھی طرح اس قبیل کا نہیں لگتا تھا۔

''تو کتنا بھی چھپائے، ظہورا تیرے دل کا حال جانتا ہے۔'' ظہورا دیوار کے پاس سے ہٹ کر اس کے سامنے سنگل صوفہ گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

''تو ایک بار اعتراف کرلے تو دیکھ زمین کھود کر حیاتی دادا کو نکال لاؤں۔''

شاہجہان نے چونک کر اسے دیکھا۔

''چل...... پرے ہٹ کہاں برسوں پرانی باتیں نکال کر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ بتا پھر ملا بخاری صاحب سے کیا کہا انہوں نے؟''

''اسٹیشن سے سیدھا، اِدھر آ رہا ہوں اور کیا کہنا ہے بخاری صاحب نے جو کہنا تھا اسی روز کہہ دیا تھا۔ تمہاری بجو نہیں بن سکتی، اداکارہ، یہ خیال چھوڑ دے۔ ارے دس ڈائیلاگ دیے انہوں نے بولنے کو...... خود بول کر دکھائے پر تیری بجو نے ایک ڈائیلاگ بھی صحیح سے بول کر نہ دیا...... نہ آنکھوں میں نمی، نہ ہونٹوں پر مسکراہٹ ارے رونے دھونے کی اداکاری تو ہر عورت کرلیتی ہے پر بجو سے تو وہ بھی نہیں ہوئی پتھر ایسا سپاٹ چہرہ اور بے تاثر جملے...... تو نے تو اسے پڑھا لکھا کر وقت اور پیسہ ہی ضائع کیا...... مکالمے یوں بولتی تھی جیسے سبق سنا رہی ہو...... آواز میں نہ اتار نہ چڑھاؤ۔ خالی خولی شکل سے تو کام نہیں چلتا شاہجہان بیگم! اب بھلے بخاری صاحب کتنا بھی اس کی شکل صورت پر مرمٹے ہوں لیکن اپنی عزت و شہرت تو داؤ پر نہیں لگانے والے...... ہیروئن کے کردار سے تو چھٹی ہوئی کہہ رہے تھے۔ ہیروئن کی سہیلی وغیرہ کا کردار دیکھتے ہیں اس کے لیے یا کوئی اور چھوٹا موٹا کردار۔''

شاہجہان بیگم خاموشی سے اس کی بات سن رہی تھیں۔ جب خاموش ہوا تو بولیں۔

''بس کر چکا اپنی بکواس تو اب میری بھی سن لے...... جا کر بخاری صاحب سے کہہ دے کہ ٹھیک ہے فی الحال کوئی سا بھی کردار دے دیں لیکن اپنا وعدہ یاد رکھیں اور اسے ایکٹنگ کرنا سکھا دیں۔ سیکھ لے گی تو پھر بڑے کردار بھی مل جائیں گے...... بہت ذہین ہے میری بجو......''

''سیکھتا بھی تو وہی ہے ناں شاہجہان بیگم جسے سیکھنے کی حب ہو۔ ارے جو سیکھنا ہی نہ چاہے وہ کیا خاک سیکھے گا۔'' ظہورے نے بار، بار پیشانی پر بیٹھنے والی مکھی اڑائی ''میں تو کہتا ہوں بجو کو اداکارہ بنانے کا خیال چھوڑ دے اور سنہری کو ڈال اس کام میں...... پیدائشی اداکارہ ہے وہ تو...... کبھی غور سے اسے موتیا، موراں یا بجو سے باتیں کرتا دیکھو کیسے غضب کے ایکسپریشن دے رہی ہوتی ہے...... اور یہ بجو...... اس نے تم سے بھی کچھ نہ سیکھا۔ شاید باپ پر چلی گئی ہے۔ کیا اس کا باپ بھی ایسا ہی تھا۔ بچ بتا اتنا ہی صم بکم اور سپاٹ چہرے والا۔''

''تجھے کیوں اس کے باپ کے متعلق اتنا تجسس ہے۔'' شاہجہان نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

''اور تجھے پتا نہیں کیوں...... اس کے باپ کے نام پر چپ لگ جاتی ہے۔ آخر کون تھا؟''

''ظہورے جا دفع ہوجا۔'' شاہجہان کا موڈ خراب ہوا تو ظہورے نے فوراً کان پکڑ لیے تو شاہجہان کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''چل ناٹک نہ کر......'' شاہجہان بیگم نے ہاتھ مار کر اس کے ہاتھ نیچے کیے۔

''قسم سے سچ کہتا ہوں شاہجہان بیگم تو سجو کو چھوڑ اور سنہری کے لیے بات کر بخاری صاحب سے...... نہیں تو چلو لاہور واپس...... موتیا کو تو تم نے وقف کردیا صاحبزادہ صاحب کے لیے...... اور صاحبزادہ صاحب کا دل بھر گیا تو ہم بھیک مانگیں گے سڑکوں پر، ابھی تو ان کے طفیل رہنے کو ٹھکانا بھی ملا ہوا ہے اور پیٹ بھرنے کو روٹی بھی مل جاتی ہے...... لیکن کب تک۔''

''ہاں اسی لیے تو سجو کے لیے کوشش کر رہی ہوں ایک بار آجائے شوبز میں تو بس وارے نیارے ہوجائیں۔''

''سجل کو تو تم نے شہزادی بنایا ہوا ہے نہ ناچنا گانا سکھایا اور اداکارہ وہ بن نہیں سکتی تو بس ایک ہی کام کرسکتی ہے وہ۔''

''زیادہ بک بک نہ کیا کر۔'' شاہجہان بیگم کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ ''بات کروں گی میں موتیا سے سنہری کے لیے بات کرلے صاحبزادہ صاحب سے۔''

''ہاں یہ تو نے اب عقل کی بات کی' ویسے شیدا کہہ رہا تھا کہ سجو کسی لونڈے کو گھر لے کر آئی تھی۔ کون تھا وہ؟'' ظہورا تھوڑا سا اس کی طرف جھکا۔

''ارے کوئی نہیں...... وہ انہی پروفیسر صاحب کا بیٹا تھا جن کے گھر اس روز گئے تھے۔ باہر سے گزر رہا تھا سجو نے مروتاً گھر آنے کی دعوت دی تو وہ چلا آیا۔''

''محتاط رہنا شاہجہان بیگم، کہیں کوئی اور چکر ہی نہیں چل پڑے پروفیسر کا لونڈا اسے لے اڑے اور تو خالی ہاتھ بیٹھی رہ جائے۔''

''بس کر ظہورے میرا دماغ پکا کر رکھ دیا ہے تو نے جا اب جان چھوڑ...... اور آرام کر کے ذرا بخاری صاحب کی طرف بھی چکر لگا آنا۔''

ظہورا سر ہلاتا ہوا کھڑا ہوگیا...... تب ہی سنہری دو، دو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے آئی اور آخری سیڑھی پر کھڑے ہو کر اس نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے دونوں کی طرف دیکھا۔

''بھا...... ظہورے کے ساتھ کیا میٹنگ چل رہی تھی اماں؟''

وہ کبھی کبھی ظہورے کو یونہی بھا...... ظہورا کہہ کر بلاتی تھی جس پر وہ بہت چڑتا تھا۔

''کچھ نہیں......''

ظہورے نے بہت گہری نظروں سے اسے دیکھا اور پھر شاہجہان کی طرف متوجہ ہوا۔

''میری بات پر غور کرنا ضرور......''

''کس بات پر غور کرنا ہے اماں، مجھے بھی بتا میں غور کرنے میں تیری مدد کروں گی۔'' سنہری آخری سیڑھی سے اتر کر شاہجہان کے پاس آبیٹھی اور پاندان کھول کر میٹھی سونف نکال کر ہتھیلی پر رکھی اور ایک، ایک دانہ اٹھا کر منہ میں ڈالنے لگی۔

''کچھ نہیں سنہری ایسے ہی الٹے سیدھے مشورے دیتا رہتا ہے۔ بول رہا تھا سجو نہیں کرسکے گی اداکاری اس کے بجائے تیرے لیے بات کروں بخاری صاحب سے۔'' شاہجہان بیگم بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔

''سچ اماں......!'' اس نے باقی ماندہ سونف ایک ساتھ ہی منہ میں ڈالی اور شاہجہان بیگم کا گھٹنا دبانے لگی۔
''صحیح ہی تو کہتا ہے ظہورا...... بجو کو کہاں شوق ہے اداکاری کا اور میں...... مجھے تو جنون ہے اداکاری کا پر تو نے تو ہمیشہ سوتیلی بیٹی کا سا سلوک کیا مجھ سے بس ہر اچھی بات بجو کے لیے۔'' وہ فوراً ہی آنکھوں میں آنسو بھر لائی تھی۔
''دیکھا...... دیکھا...... اپنی بیٹی کو...... کتنی زبردست اداکارہ ہے۔'' ظہورے نے اس کی طرف اشارہ کیا اور وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ شاہجہان نے ظہورے کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔
''ٹھیک ہے تو جا اب دو گھڑی کمر ٹکا لے سفر کر کے آیا ہے...... پھر تجھے بخاری صاحب کی طرف بھی جانا ہے۔'' ظہورا باہر نکل گیا تو سنہری سنجیدہ ہو گئی۔
''اماں اگر بجو اداکارہ نہیں بننا چاہتی تو تم کیوں خواہ مخواہ کی ضد کرتی ہو۔''
''تو کیا کروں؟ موتیا کب تک سب کا پیٹ بھرے گی۔ تجھے سوائے باتیں بنانے کے اور کچھ نہیں آتا۔''
''توبہ ہے اماں، اتنا سفید جھوٹ تو نہ بولو...... کس غضب کا رقص کرتی ہوں...... اور گانا تو ایسا گاتی ہوں کہ سماں بندھ جاتا تھا۔''
''لیکن تم سے اس موئے ملکو کا دل تو نہ لبھایا گیا۔''
''سچ پوچھو تو اس کا دل تیری بجو پر آ گیا تھا، میں کیا اس کا دل لبھاتی۔''
''دفعہ کر کمبخت بڈھا...... بارہ سال کی میری بجو کے پیچھے پڑ گیا تھا۔ اچھا کیا جو جوتے مار کر اتار دیا بالا خانے سے۔'' شاہجہان کا موڈ بحال ہو چکا تھا۔
''اماں ایک بات کہوں؟'' سنہری پھر شاہجہان کے گھٹنے دبانے لگی تھی۔
''بجو کو ناچ، گانا نہیں آتا اداکاری وہ نہیں کر سکتی۔ پڑھا لکھا کر تو نے ویسے ہی اسے کسی کام کا نہیں رہنے دیا تو ایسا کر اس کی شادی کر دے۔''
''شادی کر دوں؟'' شاہجہان نے قہقہہ لگایا۔
''کس سے کیا کوئی بٹھا رکھا ہے تو نے؟''
''وہ...... وہ ہے ناں پروفیسر کا بیٹا...... اسی سے کر دے بجو کی شادی اس روز آیا تھا ناں بجو کے ساتھ...... کیسا بانکا سجیلا ہے بالکل اپنی بجو جیسا۔''
''کیا...... بجو نے تجھ سے کہا؟'' شاہجہان کا ماتھا ٹھنکا اس کے کانوں میں ظہورے کے الفاظ گونجے اور اس نے تیز نظروں سے اسے گھورا۔
''توبہ ہے اماں، بجو بھلا کیوں کہے گی۔ وہ تو میں خود کہہ رہی ہوں۔ دونوں ساتھ کھڑے ہوئے کتنے اچھے لگ رہے تھے۔''
''چل دفع کر موا ماسٹر کا بیٹا کھانے کو چار پیسے مشکل سے کماتا ہوگا...... میری بجو تو شہزادی ہے، کسی محل کی رانی بنے گی دیکھ لینا ایک بار اسکرین پر آ جائے پھر کیسے اونچے، اونچے لوگ اس کے پیچھے آتے ہیں۔''
''اور تیری یہ محلوں کی رانی تیرے دروازے پر ہی رُل جائے گی۔'' سنہری کا موڈ خراب ہوا تھا۔
''ہماری طرح نہ محفل میں بیٹھے گی نہ جسم بیچے گی پھر کیوں نہ اس کی شادی کر دو۔'' اس نے شاہجہان کے گھٹنے پر دباؤ ڈالا۔
''پتا ہے اماں، آج کل یہ استاد، پروفیسر بھوکے نہیں مرتے لاکھوں روپے تنخواہ ہوتی ہے ان کی اور پھر ٹیوشن پڑھا، پڑھا کر کروڑ پتی تو بن ہی جاتے ہیں۔''

''چل اٹھ موراں سے کہہ ایک پیالی چائے بنادے اور مجھے یوں ہی فضول کے خواب نہ دکھا۔ چوبارے والیوں سے کوئی شادی نہیں کرتا بس صرف دل ہی بہلاتے ہیں۔''

''اور اگر کوئی شادی کے لیے تیار ہوجائے تو کیا تو کردے گی سجو کی شادی؟''

''چل سنہری میرا دماغ نہ خراب کر...... پہلے ہی وہ کمبخت ظہورا میرا بھیجا کھا کر گیا ہے۔'' شاجہان نے پاندان اٹھا کر نیچے فرش پر رکھا اور سر کے نیچے کشن رکھتے ہوئے لیٹ گئی اور آنکھوں پر دوپٹا رکھ لیا۔

''ہوں......''

سنہری کندھے اچکا کر کھڑی ہوگئی۔

''لگتا ہے اماں چاہتی ہی نہیں ہیں کہ ہم میں سے کسی کا گھر بسے...... یہ کوئی روایتی ماں تو ہیں نہیں کہ انہیں بیٹیوں کا گھر بسانے کی فکر ہو...... کوٹھے والی مائیں کب سوچتی ہیں۔ بیٹیوں کی شادیوں کا...... وہ تو بس مردوں کو پھنسانے کے غم میں مبتلا رہتی ہیں، ہوں......'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے زمین پر پاؤں مارا اور دھم دھم کرتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ اوپر جا کر پہلے وہ اپنے کمرے میں گئی۔ موتیا بے سدھ سو رہی تھی...... رات دیر سے آئی تھی۔ صاحبزادہ صاحب نے ائرپورٹ سے ہی گھر بھجوادیا تھا۔ اس نے جھک کر دیکھا کیسا پیلا زرد رنگ ہو رہا تھا۔ پتا نہیں کتنی تھکی ہاری آئی تھی اسے ایک دم موتیا پر پیار آیا۔

''بیچاری موتیا، مجھے بخاری صاحب کسی ڈرامے میں کام دے دیں تو پھر موتیا کو کچھ نہ کرنے دوں۔ کل ہی ظہورے سے کہتی ہوں مجھے لے جائے آڈیشن کے لیے۔'' وہ آہستہ سے دروازہ بھیڑ کر باہر آئی اب وہ سجل کے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

سجل اپنے بیڈ پر دونوں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے سر گھٹنوں پر رکھے بیٹھی تھی۔ سنہری نے دروازہ کھولا تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

''کیا ہوا سجو؟'' سنہری تڑپ کر اندر آئی۔ ''تم رو رہی ہو۔''

''نہیں......'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''پھر یوں اس طرح بیٹھی کیا سوچ رہی ہو۔''

''کچھ نہیں۔'' اس نے سر پھر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ وہ اب سنہری کو کیا بتاتی کہ پچھلے چند دنوں سے وہ ایک ہی بات سوچے جا رہی ہے کہ یہ اس نے کیا، کیا کیسے منہ پھاڑ کر عظام سے کہہ دیا کہ وہ اس سے شادی کرلے کیا معتبر ہونے کی خواہش اتنی زور آور تھی کہ اس نے اپنی عزتِ نفس کی بھی پروا نہیں کی...... پتا نہیں کیا سوچتا ہوگا وہ۔

''سجو!'' سنہری اس کے پاس بیٹھ گئی۔ ''سن ابھی میں نے اماں سے کہا کہ وہ تیری شادی عظام سے کردے پر مجھے لگتا ہے کہ اماں تیری شادی نہیں کرنے والی...... تو ایسا کر بھاگ جا اس کے ساتھ۔'' سنہری ایسی ہی تھی جو منہ میں آتا کہہ دیتی تھی۔ سجل نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر سنہری کی طرف دیکھا۔

اس کی آنکھوں سے اس سے اتنا کرب جھلکتا تھا کہ سنہری کے دل کو کچھ ہوا...... اس کا چہرہ اس وقت درد کی تصویر بنا ہوا تھا، اور وہ ظہورا کہتا ہے سجو کے چہرے پر کوئی ایکسپریشن نہیں ہوتے نہ خوشی کے نہ دکھ کے...... ہوں......'' اس نے سر جھٹک کر سجل کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

''سچی سجو، وہ مجھے بہت اچھا لگا تھا میں نے سوچا کہ تیری اگر اس سے شادی ہوجائے تو کتنا اچھا ہو...... ظہورا کہتا ہے تو اداکاری نہیں کرسکتی...... ناچنا، گانا تجھے نہیں آتا تو پھر کیا کرے گی...... اچھا نہیں ہے کہ تو شادی کرلے۔ اماں کی پروا نہیں کر...... میں اور موتیا سنبھال لیں گے اور پھر اماں تجھ سے خفا ہو ہی نہیں سکتی۔ میں جانتی ہوں اماں

کو اچھی طرح سے۔ میں نے اس لڑکے کی آنکھوں میں تیرے لیے بڑا الوہی، بڑا پاکیزہ جذبہ دیکھا ہے۔ ہم کوٹھے والیاں مردوں کی ہر نظر پہچانتی ہیں بجو...... اس کی نظروں میں تیرے لیے احترام بھی تھا اور محبت بھی لیکن ہوس کہیں نہیں تھی۔ چلو اگر تم بھی اس سے محبت کرتی ہو تو اماں کی فکر نہیں کرو۔ بس اس سے بات کرو، میں نے اس سے فون نمبر لے کر تمہیں دیا تھا ناں...... تمہارے پاس ہے؟'' اس نے صرف سر ہلایا۔

پتا نہیں وہ اس سے محبت کرتی تھی یا نہیں پھر بھی اس نے اس سے بات کی تھی اسے خود سے شادی کے لیے کہا تھا۔

''بتا ناں بجو کیا تیرا دل چاہتا ہے اس سے شادی کرنے کو؟'' اسے خاموش دیکھ کر سنہری نے پھر پوچھا۔

''میرا دل......؟''

اس نے زخمی نظروں سے سنہری کو دیکھا اور سنہری کانپ گئی۔

''میں نے کبھی شادی کے متعلق نہیں سوچا تھا سنہری۔'' اس نے نظریں جھکا لی تھیں اور یوں ہی گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے ہولے، ہولے کہہ رہی تھی۔

''بلکہ میں نے کبھی کسی چیز کے متعلق نہیں سوچا تھا' میرا خیال تھا میری زندگی یوں ہی گزر جائے گی تم سے، موتیا سے اور اماں سے لاڈ اٹھواتے ہوئے۔ میں جانتی تھی، ہماری شادیاں نہیں ہوتیں اور گھر نہیں بستے...... پھر اماں نے کہا کہ انہوں نے میرے لیے کیا سوچ رکھا ہے۔ میں نے سوچا تھا اماں نے مجھ پر اتنا احسان کیا ہے تو میں بھی اماں کی بات مان لوں گی لیکن اس روز جب بخاری صاحب اور صاحبزادہ صاحب آئے تھے اور......'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''اس روز مجھے لگا میں چوراہے پر ننگے سر کھڑی ہوں اور سب مجھ پر ہنس رہے ہیں، میری طرف انگلیاں اٹھا رہے ہیں۔ صاحبزادہ صاحب کی تمسخر اڑاتی آواز بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے۔ اس روز میں نے سوچا تھا کہ مجھے میرے باپ کا نام معلوم نہیں جو مجھے معتبر کرے لیکن اگر میرے نام کے ساتھ میرے شوہر کا نام لگ جائے تو میں آپوں آپ معتبر ہو جاؤں گی، مجھے باپ کا نام جاننے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ تب اس روز میں نے شادی کا سوچا' میں شادی کرلوں تو......''

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

''شاید میں نے غلط سوچا مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیے تھا۔''

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ وہ سنہری کو یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اس نے عظام سے کیا کہا تھا اور یہ کہ اس نے عظام کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اپنے متعلق، سنہری اور موتیا کے متعلق پھر بھی وہ گھر تک آگیا پھر بھی اس نے کہا وہ اس سے شادی کرلے گا۔

سنہری نے ایک دم اس کے گرد بازو حمائل کر کے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

''نہ رو میری جان...... میری پیاری...... مجھے بے شک اپنے باپ کا نام نہیں معلوم لیکن مجھے تمہارے باپ کا نام معلوم ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گی۔'' اس کے گرد بازو حمائل کیے، کیے سنہری نے اس کے کان میں سرگوشی کی تو یک دم روتے، روتے بجل نے سر اٹھا کر سنہری کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت تھی، شوق تھا اور تجسس...... اس کے آنسو جیسے آپوں آپ خشک ہوگئے تھے...... سنہری نے اسے یوں حیرت سے اپنی طرف دیکھتا پا کر اثبات میں سر ہلایا اور مسکرانے لگی۔

(جاری ہے)